جامعہ حقانیہ کا ترجمان

الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

مجلہ

ذوالقعدہ تا محرم ۱۴۳۲ھ / اکتوبر ۲۰۱۱ء

بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

شیخ اسامہ کی شہادت اور امریکی جارحیت	مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم	3
درس قرآن کریم	؍؍؍؍؍؍	5
درس حدیث	مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ	8
ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ	حضرت مولانا حافظ ابرار الحق صاحب حقی	10
ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم	1
الیضاح الادلہ کی ایک عبارت کی وضاحت	فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی	8
محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ	؍؍؍؍؍؍	9
حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	مولانا محمد بلال اشرف زید مجدہ	8
احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج تحقیقی جائزہ	مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی	46
اخبار الجامعہ	مولانا محمد آصف چنیوٹی	4

خط و کتابت کیلئے دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
web-www.alhaqqania.org
E-mail-alhaqqania@yahoo.com فون: 048-6786002/6786855

کلمۃ الحق مفتی سعید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

قادیانی ملک وملت کے غدار اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں

تحفظ ختم نبوت کانفرنس کے لئے پیغام

ذوالقعدہ ۱۴۱۰ھ ۱۰ مئی تعزیت کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سرگودھا کی طرف سے عیدگاہ سرگودھا میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی جارہی ہے۔ ذیل کا "پیغام" مدیر مجلہ الخفائیہ نے اسی کانفرنس کے لئے تحریر کیا ہے جو اس مرتبہ اداریہ کی جگہ افادۂ عام کیلئے ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی خصوصًا علٰی سید الرسل وخاتم الانبیاء وعلٰی آلہ المجتبٰی واصحابہ المرتضٰی امابعد:

صدر ذی وقار، معزز علماء کرام، قابل صد احترام سامعین حضرات:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سب سے پہلے احقر صمیم قلب سے اس عظیم کانفرنس کے انعقاد پر جمیع منتظمین حضرات، خاص طور پر مخدوم ومکرم حضرت مولانا محمد اکرم طوفانی مدظلہم اور ان کے متعلقین کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام حضرات کی خدمات جلیلہ ومساعی جمیلہ کو قبول فرمائیں اور اپنے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اگرچہ اس وقت کسی طویل بیان کا موقع نہیں ہے لیکن سردست مختصراً چند گزارشات مالا یدرک کلہ لایترک کلہ کے طور پر عرض خدمت ہیں امید ہے کہ آپ حضرات توجہ سے سماعت فرماکر احقر کو شکریہ کا موقع عطا فرمائیں گے۔

یہ ایک واضح حقیقت اور روشن صداقت ہے کہ عقیدہ ختم نبوت اسلام کے ان بنیادی، قطعی اور ضروری عقائد میں سے ہے جن کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلاسکتا

مسلمان ہونے کے لئے اگرچہ اسلام کے تمام قطعی الدلالۃ والثبوت عقائد اور احکام کا ماننا ضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے لیکن دین اسلام کے وہ اہم ضروری عقائد جو دین کے قطعی عقائد میں شامل ہونے کے ساتھ ساتھ ضروری وبدیہی عقائد کہلاتے ہیں اور ان کا انکار اگر تاویل کے ساتھ بھی کیا جائے تب بھی منکر کفر سے نہیں بچ سکتا ختم نبوت کا عقیدہ بھی ان اہم اور ضروری عقائد میں شامل ہے۔

قرآن کریم کے صریح نصوص اور احادیث مشہورہ متواترہ نیز امت کے اجماع اور اتفاق سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ حق تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ماکان محمد ابااحدمن رجالکم ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین اور حدیث پاک انا خاتم النبیین لانبی بعدی وغیرہ نصوص اس حقیقت ثابتہ پر شاہد ہیں۔ اسی لئے فقہاء کرام نے تصریح کی ہے اگر کسی شخص کو یہ معلوم نہیں کہ حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں تو وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

صاحب البحر علامہ ابن نجیم مصری ''الاشباہ والنظائر'' میں تحریر فرماتے ہیں:

اذالم یعرف ان محمداصلی اللہ علیہ وسلم آخرالانبیاءفلیس بمسلم لانہ من ضروریات الدین وقال العلامۃ الحموی فی شرحہ یعنی والجھل بالضروریات فی باب المکفرات لایکون عذرا بخلاف غیرھافانہ یکون عذراعلی المفتی بہ کماتقدم واللہ اعلم

(شرح الاشباہ ج۲ ص۹۱، وفتاویٰ ھندیہ ج۲ ص۲۶۳)

آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آسکتا نہ تشریعی، نہ غیر تشریعی، نہ بروزی، نہ ظلی، جو شخص آپ ﷺ کے بعد کسی طرح کے نئے نبی آنے کا قائل ہو یا

ایسے مدعی نبوت کو مسلمان سمجھتا ہو وہ یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں ہے ہو کونه صلی الله علیه وسلم خاتم النبیین مانطقت به الکتاب وصدعت به السنةواجمعت علیه الامةفیکفرمدعی خلافه ویقتل ان اصر انتہیٰ (ج۷، ص۶۵۵) شرح فقہ اکبر میں بھی تصریح ہے:

ودعوی النبوة بعدنبیناصلی الله علیه وسلم کفربالاجماع

قیامت کے قریب آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ مسلمانوں کے ہاں متفقہ اور متواتر عقیدہ ہے لیکن ان کا نزول عقیدہ ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے اس سے عقیدہ ختم نبوۃ پر کسی قسم کی زد نہیں پڑتی کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آپ ﷺ کے بعد نبوت نہیں عطا کی گئی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ سے پہلے کے نبی ہیں اور آسمان سے نزول کے بعد وہ حضور اکرم ﷺ کے دین کا اتباع فرمائیں گے۔ اس لئے ان کا نزول ہرگز ہرگز عقیدہ ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے۔

افضل المفسرین حضرت علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"ولایقدح فی ذالک مااجتمعت علیه الامةواشتهرت فیه الاخبارولعلهابلغت مبلغ التواترالمعنوی ونطق به الکتاب علی قول ووجب الایمان به واکفرمنکره کالفلاسفةمن نزول عیسی علیه السلام فی آخرالزمان لانه کان نبیاقبل تحلی بنبیناصلی الله علیه وسلم النبوةفی هذه النشأة" (روح المعانی ج۷)

علامہ زرقانی شرح المواہب میں فرماتے ہیں:

"وروی احمدوالترمذی والحاکم باسنادصحیح عن انس مرفوعا ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولانبی

ولایقدح نزول عیسیٰ علیہ السلام بعدہ لانہ یکون علیٰ دینہ مع ان المرادانہ اٰخرمن نبی اھ'' (ج۵ص۲۶۷)

متنبی پنجاب وقادیان غلام احمد قادیانی کو اسی لئے پوری امت مسلمہ نے مرتد قرار دیا کہ اس نے ۱۹۰۱ء میں ''ایک غلطی کا ازالہ'' نامی رسالہ لکھ کر اس میں جھوٹی نبوت کا دعوی کیا ،مرزائی چاہے وہ قادیانی ہوں یا لاہوری چونکہ وہ غلام احمد قادیانی کے پیروکار اور اسے مسلمان سمجھتے ہیں اس لئے سب کے سب دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

اہل اسلام کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ قادیانی مرزائیوں کے کافر، ملحد، زندیق اور مرتد ہونے کی بہت سی وجوہات ہیں جن کی تفصیل مختلف کتب ورسائل میں موجود ہے ان میں سے تین بڑی وجوہات یہ ہیں:

(۱)مرزا کو باوجود ایسے صاف دعوی نبوت کے جس میں کسی قسم کی تاویل کی ہرگز گنجائش نہیں مسلمان بلکہ مہدی ومسیح سمجھنا۔

(۲)ختم نبوت کے مسئلہ میں جو کہ ضروریات دین میں سے ہے تاویل فاسد کرنا اور اس کے اجماعی مفہوم کو بدلنا۔

(۳)مرزا کو باوجود کھلی ہوئی توہین انبیاء علیہم السلام کے مسلمان سمجھنا یہ تینوں وجوہ ان کے کفر کے لئے کافی ہیں۔ (جواہر الفقہ ج۱ص۵۰)

یہ مغالطہ انتہائی غلط ہے کہ قادیانی اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ اہل قبلہ صرف ان کو نہیں کہا جاتا جو کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ کرتے ہوں بلکہ اس سے مراد وہ حضرات ہیں جو دین اسلام کے تمام قطعی اور ضروری عقائد کو مانتے ہوں۔ جو شخص ضروریات دین میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ اہل قبلہ نہیں ہے چنانچہ حضرت ملا علی قاری نے ''شرح فقہ اکبر'' اور علامہ تفتازانی نے ''شرح المقاصد'' اور علامہ شامی

نے ''رد المحتار'' میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ شرح عقائد کے شارح صاحب نبراس علامہ عبدالعزیز پرھاروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اهل القبلةفی اصطلاح المتکلمین من یصدق بضروریات الدین الیٰ قوله فمن انکرشیئامن ضروریات الدین الیٰ قوله لم یکن من اهل القبلة(نبراس شرح شرح العقائد) پس اگراسلام کے کسی ایک قطعی اور ضروری عقیدہ کا انکار کرنے والا اہل قبلہ نہیں کہلاسکتا تو عقیدہ ختم نبوت جو تمام قطعی عقائد میں اہم قطعی عقیدہ ہے اس کے انکار سے مرزائی کیسے اہل قبلہ اور مسلمان کہلاسکتے ہیں۔

بعض حضرات کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ایک عقیدہ کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ایمان موجبہ کلیہ ہے اور اس کی نقیض سالبہ جزئیہ ہے جس سے واضح ہے کہ کسی ایک قطعی عقیدے کا انکار بھی موجب کفر ہے۔

چنانچہ آیت قرآنی فلاوربک لایؤمنون حتی یحکموک فیماشجر بینهم ثم لایجدوافی انفسهم حرجامماقضیت ویسلمواتسلیماالآیة (النساء۶۵) کی تفسیر حضرت جعفرصادق سے یوں منقول ہے:

''اگرکوئی قوم اللہ کی عبادت کرے، نماز، روزہ، حج اورزکاۃ سب ادا کرے مگر کسی کام کے متعلق جو حضور اکرم ﷺ نے کیا ہو یہ کہے کہ آپ نے یہ کام کیوں کیا اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟ یا آپ ﷺ کے کسی حکم سے قلب میں تنگی اور انقباض محسوس کیا تو یہ لوگ باوجود نماز اور روزہ کے کافر اور مشرک کے حکم میں ہیں'' (روح المعانی ص۱۰۱،ج۵)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام احکام اسلام کو دل وجان سے تسلیم کرنا ضروری ہے کسی ایک کا بھی انکار کرنے سے اسلام باقی نہیں رہتا اس لیے اسلام کے تمام قطعی عقائد کے ساتھ ختم نبوت کے عقیدہ پر ایمان رکھنا بھی بلاشبہ مسلمان ہونے کے لئے ضروری

اور لو لاہ لا متنع کے درجہ میں ہے۔

پھر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ غلام احمد قادیانی نہ صرف مرتد تھا بلکہ قرآن وحدیث کے متفقہ مفہوم اور ختم نبوت کے معنی کو بدلنے کی وجہ سے ملحد اور زندیق بھی تھا۔ اس کے ماننے والے بھی صرف کافر یا مرتد نہیں بلکہ ملحد اور زندیق بھی ہیں۔

ضروریات دین میں کوئی ایسی تاویل کرنا جس سے ان کے معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہوجائیں اور غرض معروف بدل جائے اسے قرآن کریم کی اصطلاح میں الحاد کہتے ہیں۔ قال تعالیٰ ان الذین یلحدون فی آیتنا لا یخفون علینا (حم السجدۃ ۴۰) حدیث پاک میں اس قسم کے ارتداد کا نام ''زندقہ'' رکھا گیا ہے کما نقل صاحب البحار عن علی رضی اللہ عنہ (مجمع البحار ص ۶۵۵ بحوالہ جواہر الفقہ ج ۱)

قادیانیوں کو اگرچہ مملکت خداداد میں ۱۹۷۴ء سے غیر مسلم اقلیت قرار دیا جاچکا ہے اور ۱۹۸۵ء کے امتناع قادیانیت آرڈیننس کی رو سے ان کیلئے تبلیغ پر پابندی ہے لیکن اس کے باوجود قادیانی خفیہ طریقہ سے سب کچھ کررہے ہیں اور سادہ لوح مسلمان ان کے دام تزویر میں اپنے لالچ کی بنا پر پھنس جاتے ہیں۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے مسلمانوں کی اتنی قربانیوں اور اتنے عرصہ کی جدوجہد کے باوجود بھی اگر دیکھا جائے تو یہ مسئلہ ابھی تک تشنۂ تکمیل ہے پورے طور پر حل نہیں ہوا۔ ہمارے خیال میں مکمل طور پر یہ مسئلہ اسی صورت میں حل ہوسکتا ہے کہ حکومت اسلامیہ مرتد کی اصل سزا قتل کا نفاذ کرے جیسا کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اس کی سفارش کردی ہے۔ مرزائی زندیق، ملحد اور مرتد ہیں اور مرتد کی سزا اسلام میں قتل ہے کما قال رسول اللہ ﷺ من بدل دینہ فاقتلوہ (ارتداد کی شرعی سزا قتل کے متعلق تفصیلات حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے رسالہ ''الشہاب'' اور حضرت اقدس والدگرامی فقیہ العصر مولانا مفتی

عبدالشکور ترمذی قدس سرہ کے رسالہ ''مرتد کی شرعی سزا'' میں قابل ملاحظہ ہیں)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتد کی سزا قتل کو جاری فرما کر قرآنی حکم اور حدیث پیغمبر من ارتد فاقتلوہ پر عمل کیا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسے تسلیم فرمایا۔ مگر اس سزا کا نفاذ چونکہ حکومت اسلامیہ کے ذمہ ہے اس لئے جب تک حکومت کی طرف سے اس سزا کا نفاذ نہ ہو مسلمان اپنے طور پر قادیانی فرقہ سے الگ رہیں ان سے مکمل بائیکاٹ رکھیں اور ان کی خلاف اسلام اور ملک دشمن سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھیں اور اس سلسلہ میں قانونی چارہ جوئی میں ہرگز سستی نہ فرمائیں۔ جب تک حکومت اسلامیہ اس سزا کو نافذ نہیں کرتی یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ موجودہ حکومت اگر اس کو نافذ کردے تو یقیناً یہ اس کا بڑا تاریخی کارنامہ ہوگا۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت پیپلز پارٹی کی حکومت نے قرار دیا تھا اس لئے اگر یہ سزا بھی اسی کے دور حکومت میں نافذ ہوجائے تو پارٹی دوہرے اعزاز کی مستحق ہوگی اور پوری امت مسلمہ ہمیشہ کیلئے اس کی مشکور ہوگی۔ واللہ الموفق والمعین ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

ہمارا جہاں حکومت سے مطالبہ ہے کہ وہ مرتد کی اصلی سزا قتل کا نفاذ کرے وہیں تمام اسلامی جماعتوں اور تمام اسلامی مکاتب فکر اور ان کے مقتدر علماء کرام سے گزارش ہے کہ وہ خدا کیلئے ہرگز ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ فتنہ ختم ہوچکا ہے یا یہ کہ غیر اہم ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے کیونکہ قادیانی اسلام، مسلمان اور ملک سب کے غدار ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری نبی ﷺ کے دشمن ہیں۔ اور درحقیقت یہ یہود و نصاریٰ کے ایجنٹ اور حکومت برطانیہ کے خودکاشتہ پودا اور اسلام و مسلمان کیلئے بڑا ناسور ہیں۔ اس لئے حسب سابق اپنی کاوشوں کو اس کے خاتمہ تک جاری رکھیں، عوام کو ان سے الگ رکھنے کیلئے پوری کوشش فرمائیں، تحریری، تقریری جہاد مسلسل جاری رکھیں، وقتاً فوقتاً ضلعی،

صوبائی اور تحصیل کی سطح پر وقیع علمی کنونشن کا اہتمام فرمانے کے ساتھ قریہ قریہ، بستی بستی اس فتنہ کے انسداد کیلئے اپنی جدوجہد جاری رکھی جائے۔ فتنۂ قادیانیت اور اس کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں سے عوام وخواص کو آگاہ فرمائیں اور قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے اس کیلئے موثر سدباب کی کوشش کریں اور اس سلسلہ میں اپنے اکابر اور علماء کرام کی خدمات سے بھی اپنے احباب کو متعارف کرائیں۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے ''احتساب قادیانیت'' کے نام سے جو عظیم انسائیکلو پیڈیا تیار کیا ہے احقر کے خیال میں ہر اہل علم کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔ امید ہے کہ یہ کانفرنس بھی قادیانی فتنہ سے آگاہی اور اس کی سرکوبی کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرنے کیلئے اہم کردار ادا کریگی۔ احقر کے خیال میں آئندہ بھی ضروری ہے کہ اس طرز کے پروگرام کے انعقاد کے ساتھ ضلع سرگودھا میں مستقلاً بھی اس موضوع پر درس وتدریس ''تخصص فی ردالقادیانیۃ'' اور کتب ورسائل کی اشاعت کا اہتمام جاری رکھا جائے۔ واللہ الموفق والمعین۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تمام فتن اور اس فتنۂ قادیانیت سے محفوظ رکھے اور ان کو صحیح معنی میں تمام اسلامی عقائد بطور خاص عقیدۂ ختم نبوت کی حفاظت کیلئے ہر طرز سے خدمت بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔ فقط

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعاجو احقر عبدالقدوس ترمذی

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۲۶/ شوال المکرم ۱۴۳۲ھ

۲۵/ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز اتوار

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

آگے حضرت ابوسعید کی اسی حدیث کے آخر میں ان لوگوں کے متعلق یہ بھی ہے کہ:

هؤلاء عتقاء الله الذين ادخلهم الله الجنة بغير عمل عملوه ولا خير قدموه (یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چھوڑے ہوئے ہوں گے اللہ ان کو جنت میں داخل کرے گا بغیر عمل کے جو انہوں نے کیا ہو اور بغیر خیر کے جو انہوں نے پیش کیا ہو)۔

گویا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس بہت ہی ضعیف اور نہایت ہی خفی ایمان کے سوا عمل صالح اور خیر کا کوئی سرمایہ بالکل نہ ہوگا مگر اللہ تعالیٰ بالآخر ان کو بھی اپنے رحم وکرم سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کردیں گے۔

اس مسئلہ میں اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مرجیہ اور خوارج نے افراط اور تفریط کی راہ اختیار کی تھی اور آج کل بھی بعض حلقوں کا رجحان افراط کی طرف اور بعض کا تفریط کی طرف ہورہا ہے اس لیے ہم نے حدیث کی نفس تشریح سے زیادہ یہ چند سطریں لکھنی ضروری سمجھیں۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

اسلام لانے سے پچھلے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں

عن عمرو بن العاص قال لما جعل الله الاسلام فی قلبی اتیت النبی ﷺ فقلت ابسط یمینک فلابایعک فبسط یمینه فقبضت یدی فقال مالک یاعمرو قلت اردت ان اشترط قال تشترط ماذا؟ قلت ان یغفرلی قال اما علمت یاعمرو ان الاسلام یهدم ماکان قبله وان الهجرة تهدم ماکان قبلها وان الحج یهدم ماکان قبله (رواہ مسلم)

ترجمہ : حضرت عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کا خیال میرے دل میں ڈالا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ آگے کر دیا پس میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو آپ نے فرمایا عمرو تمہیں کیا ہوا؟ (یعنی تم نے اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا) میں نے عرض کیا میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا یہ کہ میری خطائیں بخش دی جائیں، آپ نے ارشاد فرمایا اے عمرو کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اسلام قبول کرنا پہلے سب گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج بھی پہلے گناہوں کو زائل کر دیتا ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے گناہوں کی مغفرت کے بارے میں اسلام کے علاوہ ہجرت اور حج کی تاثیر کا ذکر اس موقع پر یہ ظاہر کرنے کے لیے فرمایا کہ اسلام تو اسلام اس کے بعض اعمال میں بھی گناہوں سے پاک صاف کر دینے کی خاصیت ہے لیکن دو باتیں یہاں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں ایک یہ کہ اسلام لانے اور ہجرت یا حج کرنے کی یہ تاثیر اس صورت میں ہے جبکہ یہ کام صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ کیے جائیں دوسرے یہ کہ دلائل شرعیہ سے یہ بات اپنی جگہ ثابت شدہ ہے کہ اگر کسی کے ذمہ اللہ کے بندوں کے حقوق ہیں خصوصاً مالی حقوق تو اسلام یا ہجرت، یا حج سے وہ معاف نہیں ہوتے تو ان کا معاملہ حق داروں ہی سے صاف کرنا ضروری ہے۔

کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہو کر اسلام قبول کرنے والوں کے پچھلے گناہوں کی معافی کا وعدہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے ارشاد ہے قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف (اے رسول ان لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے) (معارف الحدیث)

جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری حفظہ اللہ

خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ عالم اسلام کے جلیل القدر ممتاز عالم دین، عظیم مفسر، بہترین مدبر و منتظم اور عظیم مبلغ اسلام اور مایہ ناز خطیب تھے۔ ان کا وجود مسعود ملت اسلامیہ کے لئے ایک نعمت عظمیٰ تھا ان کی پوری زندگی اسلام کی تبلیغ واشاعت، خدمت دین اور استحکام پاکستان اور نظام اسلام کے نفاذ کی جدوجہد میں گزری تھی انہوں نے اپنی حیات مبارکہ میں ایسے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیے جو رہتی دنیا تک روز روشن کی طرح چمکتے دمکتے رہیں گے تاریخ پاکستان آپ کے زریں کارناموں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور آپ کے عظیم کارنامے اور دینی خدمات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جا چکی ہیں۔ اس مختصر مضمون میں آپ کے چند عظیم کارناموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جنہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

تحریک پاکستان میں اہم کردار

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کا اکابر علماء دیوبند کے اس عظیم طبقے سے تعلق ہے جنہوں نے حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی زیر قیادت تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ شب و روز تعمیر پاکستان کے لئے ان تھک کام کیا۔ سرحد و سلہٹ ریفرنڈم میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ ظفر احمد عثمانی، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع، علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مفتی محمد حسن امرتسری، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مفتی عبدالکریم گمتھلوی، مولانا مرتضیٰ حسن

چاندپوری ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی ، علامہ محمد ادریس کاندھلوی ، مولانا اطہر علی سلہٹی ، علامہ رسول خان ہزاروی ، علامہ شمس الحق افغانی ، مفتی جمیل احمد تھانوی ، مولانا شبیر علی تھانوی ، مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری اور مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ وہ عظیم ہستیاں ہیں جنہوں نے تحریک پاکستان میں قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کا بھرپور ساتھ دیا اور قیام پاکستان کے لئے عظیم جدوجہد کی ان حضرات اکابر علماء ومشائخ نے تحریروں اور تقریروں کے ذریعے حصول پاکستان کے لئے دن رات کام کیا اسی لئے قائداعظم نے ان حضرات کی کاوشوں اور کارناموں کا اعتراف کیا اور ان حضرات علماء حق کو خراج تحسین پیش کیا۔ (تفصیلات تحریک پاکستان اور علماء دیوبند)

قرارداد مقاصد

قیام پاکستان کے بعد سب سے بڑا اور اہم کام پاکستان کے دستور کی ترتیب وتدوین کا مسئلہ تھا جس کی خاطر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کار نے دن رات ایک کر دیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی اس عظیم جدوجہد اسلامی اور دستور کی تیاری میں سب سے اہم کردار حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے حصہ میں آیا۔ آپ نے قرارداد مقاصد کی ترتیب وتدوین کے سلسلہ میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے حکم پر اکابر علماء حضرت مولانا سید سلیمان ندوی ، مفتی محمد حسن امرتسری، مفتی محمد شفیع دیوبندی مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی ، ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی رحمہم اللہ کو جمع کیا اور ان حضرات نے اسلامی مسودہ قانون بنانے میں شب ورز محنت کی اور اس میں کامیابی حاصل کی یہ مسودہ قانون قرارداد مقاصد کے نام سے اسمبلی میں پاس ہوا جو پاکستان کی دستور سازی میں سنگ میل ثابت ہوا الغرض قرارداد مقاصد مولانا احتشام الحق تھانوی کا اہم اور عظیم کارنامہ ہے جسے بھلایا نہیں جاسکتا (حیات احتشام)

تعلیمات اسلامی بورڈ کا قیام

قرارداد مقاصد کی منظوری کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اور دیگر اکابر علماء کرام کا بڑا کارنامہ تعلیمات اسلامی بورڈ کے قیام کا تھا آپ کی کاوشوں سے اس بورڈ کے صدر علامہ سید سلیمان ندوی منتخب ہوئے۔ حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور ڈاکٹر حمید اللہ وغیرہ اکابر علماء اس تعلیمات اسلامی بورڈ کے اراکین مقرر ہوئے اور عرصہ دراز تک خدمات انجام دیں۔

تاریخی بائیس نکات

قرارداد مقاصد اور تعلیمات اسلامی بورڈ کی کامیابی کے بعد سب سے اہم اور عظیم کارنامہ تاریخی بائیس نکات کی ترتیب وتدوین کا تھا جو تاریخ اسلام میں مولانا احتشام الحق تھانوی کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے اس کی مثال نہیں ملتی ہر مکتب فکر کے علماء کو یکجا کرنا صرف مولانا احتشام الحق تھانوی کا کام تھا یہ مدبرانہ صلاحیت حق تعالیٰ شانہ نے مولانا احتشام الحق تھانوی کو عطا فرمائی تھی شیخ الاسلام علامہ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم فرماتے ہیں:

''۱۹۵۱ء میں ۳۱ علماء کا جو شہرہ آفاق اجتماع ہوا اور بائیس نکات مرتب کئے گئے اس اہم تاریخی اجتماع کے داعی مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تھے اور یہ پاکستان کی تاریخ میں دینی جدوجہد کا انتہائی اہم واقعہ اور عظیم کارنامہ تھا۔

مفکر اسلام علامہ ڈاکٹر خالد محمود فرماتے ہیں: ''بائیس نکاتی تاریخی کارنامہ جو مولانا احتشام الحق تھانوی نے انجام دیا اس کا سہرہ انہی کے سر بندھا مولانا احتشام الحق تھانوی کا یہ تاریخی کارنامہ رہتی دنیا تک مثال رہے گا''۔ یہاں صرف دو جید اکابر علماء کی مختصر رائے پیش کی گئی ہے اور ان آراء کے سامنے کسی متعصب کی رائے یا نظریہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ تاریخی حقائق ہیں ان کو مسخ کرنا بددیانتی ہے۔ (جاری)

فقیہ العصر مفتی سید عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

محمود احمد عباسی کے نظریات کا تحقیقی جائزہ

(قسط ۲)

اصل موضوع کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کی طرف رجوع

اب اس کے بعد ہم پھر اصل موضوع ''کتاب خلافت معاویہ ویزید'' کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ عباسی صاحب نے جو نظریہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق اس کتاب میں پیش کیا ہے جس کا ذکر نمونۃً سطور بالا میں درج شدہ اقتباسات سے واضح طور پر سامنے آچکا ہے، کیا یہ نظریہ اہل سنت والجماعت کا نظریہ ہوسکتا ہے؟ اور کیا کسی بھی دینی عظمت وبزرگی رکھنے والی شخصیت کے متعلق کوئی شخص یہ نظریہ قائم کرسکتا ہے جو عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کے متعلق قائم کیا ہے، اب اگر کسی کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ سرے سے دینی پیشوا تھے ہی نہیں اور اس لیے ان کی شان اقدس میں کسی گستاخی اور بے ادبی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو اور بات ہے ورنہ جو مسلمان بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا دینی پیشوا مانتا ہے اور جس قلب میں بھی ان کی عظمت وبرتری کا عقیدہ موجود ہے وہ ہرگز عباسی صاحب کے ان مندرجات کو اہل سنت کے مسلک کے موافق نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی وہ ان کے نظریات سے اتفاق کرسکتا ہے۔

نزاع کی حقیقت

کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کی ایک اہم بحث حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے نزاع کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت سے تعلق رکھتی ہے۔

اس بحث میں بھی عباسی صاحب نے حسب عادت بڑی افراط و تفریط سے کام لیا ہے ایک طرف تو انہوں نے یزید کی پوزیشن مضبوط کرنے کے لیے ایسے دعووں سے کام لیا ہے جن کا کوئی ثبوت وہ پیش نہیں کر سکے محض سخن پروری اور عبارت آرائی سے ہی ان کو ثابت کرنا چاہتے ہیں ، دوسری طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا کیس کمزور کرنے کے لیے مستشرقین تک کا کندھا استعمال کرنا بھی انہیں گوارا ہے۔

عباسی صاحب نے اس نزاع میں یزید کی پوزیشن کو ''ولی عہدی'' کے وقت سے ہی مضبوط کر کے دکھلانا چاہا ہے اور یہیں سے افراط کا معاملہ بھی شروع کر دیا ہے ، لکھتے ہیں : ''جہاں تک یزید کی اہلیت وقابلیت کا سوال ہے ان کے عہد میں سب کے نزدیک مسلم تھی''۔

مگر سب جانتے ہیں کہ سب کے نزدیک مسلم ہونے کا دعویٰ بالکل بے ثبوت ہے اس کو بجز غلو اور افراط کے کچھ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لیکن عباسی صاحب نے اس پر بھی بس نہیں کیا اس سے بڑھ کر ہی لکھ دیا کہ :

''امیر یزید کی ولی عہدی کی اس بیعت سے پہلے کبھی اس اہتمام سے بیعت نہیں لی گئی تھی کہ مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے بیعت کے لیے وفود آئے ہوں اور ہر علاقہ کے لوگوں نے بطیب خاطر اس طرح ایک ایسے قریشی نوجوان کی بیعت کی ہو جو اپنی صلاحیتوں اور خدمات ملیہ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ملت کا محبوب تھا''۔ ملت کی محبوبیت کا اتنا بڑا دعویٰ اور ثبوت کچھ بھی نہیں؟

عباسی صاحب نے حمایت یزید کے جوش میں غور نہیں کیا کہ بیعت لیے جانے کے جس غیر معمولی اہتمام کا انہوں نے ذکر کیا ہے اور اس کو محبوبیت کا ثبوت بتانا چاہا ہے وہ تو الٹا اس محبوبیت کے خلاف ہی کچھ ثبوت فراہم کرتا ہے اور حقیقتاً اس اہتمام سے جو واقع

بھی ہے ۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ بات محبوبیت عام کی تو کجا مسلمہ اہلیت کی بھی نہ تھی ۔ بلکہ وقتی مصالح اور حالات کے تقاضہ کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء کی ولی عہدی کی اس تجویز کو قبول فرمایا تھا۔

ولایت عہدی کی کاروائی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر الزام دینا درست نہیں مگر ولایت عہدی کی اس کاروائی پر جس کی تجویز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحریک کے بغیر ان کے بعض رفقاء کی طرف سے ہوئی تھی اور انہوں نے اس وقت کے بعض مصالح کی پیش نظر اس کو قبول فرمالیا تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم کرنا اور ان کو اس پر الزام لگانا کسی طرح جائز نہیں ہے ۔ اس لیے کہ خلیفہ کے بعد اس کے رشتہ دار کا جانشین مقرر کرنے کا عدم جواز کسی نص میں نہیں ہے ۔ جانشین کی صلاحیت اور قابلیت پر اس کا دارومدار ہے ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کی اس تجویز کو اپنی دانست میں امت کی بہتری کے لیے قبول فرمایا تھا اور یزید پر نیکی اور صلاحیت کا گمان فرما کر اس کو ولی عہد مقرر فرمایا تھا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اگر اس کی حالت بدلی اور بگڑی ہوئی ظاہر ہوئی تو اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی طرح کا الزام اور حرف نہیں آسکتا۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے : ''اگر امام اپنے باپ یا بیٹے کو اپنا ولی عہد مقرر کردے تو ہم اس پر بدگمانی نہیں کرسکتے کیونکہ جیسا وہ اپنی زندگی میں سارے امور و معاملات میں قابل اعتماد مانا گیا ہے تو وہ اپنی زندگی کے بعد کے معاملات میں جو فیصلہ دے گیا ہے اس میں بھی ہم کو اس پر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے اور اس پر کوئی اتہام نہیں لگانا چاہیے ... ان کی مسلمہ عدالت اور صحبت نبوی ﷺ کو دیکھتے ہوئے زبان ان کے بارے میں بدگمانی کا خیال ظاہر کرنے سے گنگ ہے'' (مقدمہ ص ۲۴)

عباسی صاحب کا ایک نکتہ

عباسی صاحب نے یزید کی پوزیشن کو مضبوط کرنے کے لیے ایک نکتہ یہ بھی پیدا کیا ہے کہ ''حضرت حسین یزید کی ولایت عہد کے بعد بھی حضرت معاویہ کے آخری دم تک حسب معمول ہر سال دمشق جاتے اور عزیزوں کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقیم ہوتے اور گرانقدر وظائف وعطایا حاصل کرتے رہے'' اور یہ کہ ''حضرت حسین کے خروج سے پہلے تک ان کے اور یزید کے تعلقات بہت خوشگوار اور انس ومحبت کے رہے''۔

مگر کمزوری یہ ہے کہ عباسی صاحب نے اس کا کوئی مستند حوالہ پیش نہیں کیا۔ یزید کے حق میں وہ بغیر کسی حوالہ کے ہی بات منوانے کے خواہش مند رہتے ہیں۔

علاوہ ازیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آخری دم تک حضرت حسین کا حسب معمول ہر سال دمشق جانا اور وظائف وعطایا حاصل کرنا اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کی بریت کا ثبوت تو ہوسکتا ہے اور یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس ولایت عہد کے مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو متہم نہیں سمجھتے تھے مگر ان کے ساتھ حسب معمول تعلقات رکھنے سے یزید کی پوزیشن کسی طرح مضبوط نہیں ہوتی۔

غرضیکہ عباسی صاحب نے یزید کی صفائی اور بے جا حمایت میں پورا زور صرف کردیا ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس کے خلاف اقدام کرنے کو ناجائز خروج اور بغاوت ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف

حالانکہ اکابر امت کی آراء کے تحت ناظرین پر واضح ہوچکا ہے کہ یزید کے بارہ میں

فسق وفجور اور شرب خمور کی نسبت عام طور پر شہرت کے اس درجہ پر پہنچ چکی تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ دوسرے بعض حضرات کو بھی یزید کے فسق وفجور کا یقین ہوچکا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت حسین نے یزید کے خلاف اقدام کیا تھا۔

یزید کے خلاف اقدام کا جواز

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام یزید کے خلاف ایسے وقت میں کیا تھا کہ اس وقت تک اس کی حکومت کو استحکام اور تسلط حاصل نہیں ہوا تھا اور صورت حال یہ تھی کہ نہ تو حجاز کے مرکزی شہروں نے عام طور پر اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی عراق کے لوگوں نے اس کی بیعت کی تھی صرف شام کے لوگوں نے ہی عام طور پر یزید کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔

جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کیا تھا اس وقت تک یزید کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی اس لیے کہ اول تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یزید کی ولی عہدی کے وقت اہل حل وعقد نے اس کی بیعت سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ دوسرے اگر اس وقت بیعت پر تمام اہل حل وعقد کا اتفاق بھی ہوجاتا تب بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد وہ حجت شرعیہ نہیں تھا اس لیے کہ جدید خلیفہ کے انتخاب کا جو حق اہل حل وعقد کو حاصل ہوتا ہے وہ خلیفہ اول کی وفات کے بعد ہوتا ہے۔ ایک خلیفہ کی زندگی میں کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے وہ حق ساقط نہیں ہوتا۔ اسی اصول کی بنا پر جب خلیفہ سلیمان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ولی عہد بنایا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کو کافی نہیں سمجھا بلکہ خلیفہ سلیمان کی وفات کے بعد عام استصواب کے لیے فرمایا۔ جب سب اہل حل وعقد نے آپ کی خلافت کو تسلیم کر لیا تب آپ نے اس کو قبول کیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی متصلاً تمام اہل حل وعقد کا

یزید کی بیعت پر اتفاق نہیں ہوا تھا صرف شام کے لوگوں نے یزید کی حکومت کو تسلیم کیا تھا۔

جب صورت حال یہ تھی کہ ابھی تک کل اہل حل وعقد کے اتفاق نہ کرنے کی وجہ سے یزید کی حکومت پورے طور پر قائم ہی نہیں ہوئی تھی اور جو شخص (یعنی یزید) حکومت پر مسلط اور قابض ہونا چاہتا تھا اس کے فسق وفجور کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یقین تھا تو اس کے خلاف اقدام کے جواز میں کسی شبہ کی گنجائش کیونکر ہو سکتی ہے۔

اب مؤلف صاحب اگر اس معقول وجہ سے اغماض اور چشم پوشی کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو ناجائز خروج اور بغاوت کہتے ہیں تو کہا کریں مگر اہل سنت والجماعت اس اقدام کو صحیح اور جائز ہی کہتے ہیں۔

محمود احمد عباسی کے نزدیک چاہے کردار خلیفہ کی کوئی خامی یا برائی ایسی نہ ہو کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک کردار خلیفہ خامیوں سے ملوث اور برائیوں سے داغدار تھا تو کیا ان حالات میں ایسے شخص کو برسر اقتدار آنے سے حتی المقدور روکنے کی کوشش کرنا ان پر فرض نہیں تھا؟ خصوصاً جبکہ ایسے اقدام کے جواز کے لیے مدعی خلافت کا نااہل ہونا یا ملت کے نقصان کا صرف اندیشہ ہونا ہی کافی ہے، اگرچہ مدعی خلافت صالح ومتدین ہی کیوں نہ ہو، فسق وفجور کا گمان ایسے اقدام کے جواز کے لیے ضروری نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایسے وقت میں کہ حکومت ابھی تک قائم نہیں ہوئی تھی ایسے شخص کو برسر اقتدار آنے سے روکنے کی کوشش کی جو ان کے خیال میں فسق وفجور اور بعض دیگر وجوہ کی بنا پر مستحق خلافت نہ تھا، ظاہر ہے کہ یہ اقدام ایسے وقت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر فرض تھا خاص طور پر جبکہ انہیں اعوان وانصار کے بھی میسر آنے کی قوی امید تھی اور مددگاروں کے دعوتی خطوط کی کثرت سے ان کو ظن غالب

بھی اپنی کامیابی اور مدمقابل کی مدافعت کا ہوچکا تھا۔

مزید برآں اس اقدام پر انکو ایک یہ امر بھی مجبور کر رہا تھا کہ انہیں یزید کی بیعت نہ کرنے پر قتل کا اندیشہ بلکہ یقین تھا جیسا کہ ''البدایہ'' میں حضرت ابن عباس کے جواب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک مقولہ بایں الفاظ نقل کیا ہے ''لان اقتل مکان کذا کذا،احب الی ان اقتل بمکة وتستحل بی'' (البدایہ ج ۸ ص ۱۶۵) حالانکہ خلافت کے قائم ہوجانے کے بعد بھی ہر ہر فرد کے ذمہ بیعت کرنا فرض نہیں ہوتا، فرض صرف اتنا ہے کہ کوئی فرد اطاعت سے سرکشی اور بغاوت نہ کرے، اب جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت نہ کرنے پر خوف قتل بھی تھا تو مدافعت عن النفس اور اپنی جان بچانے کی خاطر یہ اقدام اور بھی مؤکد ہوجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا نظریہ بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موافق تھا چنانچہ ''کامل ابن اثیر'' میں ہے:

'' فقال له ابن الزبیر امالوکان لی بهامثل شیعتک لماعدلت عنهاثم خشی ان یتهمه فقال له اماانک لواقمت بالجماعة ثم اردت هذا الامر ههنا لما خالفنا علیک وساعدناک وبایعناک ونصحناک الخ'' (کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۷۵) ابن الزبیر نے ان سے کہا کہ اگر میرے ساتھ تیری طرح گروہ ہوتا تو میں کبھی عدول نہ کرتا، پھر وہ تہمت سے ڈرتے ہوئے کہنے لگے اگر آپ جماعت کے ساتھ رہتے پھر اس معاملہ کا ارادہ رکھتے تو ہم آپ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ تائید و بیعت اور خیر خواہی کرتے۔

مصالحت کی تین تجویزیں

غرضیکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس اقدام کو اپنا شرعی فرض سمجھ کر ہی نکلے تھے

مگر بعد میں جب معاونین نے بدعہدی کی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلی جس سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حکومت یزید کے استحکام اور کامل طور پر اس کے قیام کا علم ہوگیا تو اس وقت آپ کے اس نظریہ میں بھی تبدیلی آگئی اور آپ نے عبداللہ بن زیاد کے مقرر کردہ فوجی افسر عمرو بن سعد کے سامنے تین تجویزیں پیش کردیں۔

(۱) مجھے مدینے واپس جانے دو۔

(۲) مجھے ترکوں کی سرحد پر جانے دو تاکہ باقی زندگی کفار کے ساتھ جہاد میں گذار دوں۔

(۳) مجھے یزید سے ملنے دو میں خود اس کے ساتھ فیصلہ کرلوں گا۔

عمرو بن سعد نے اگرچہ ابن زیاد کو ان میں سے کسی ایک تجویز کے قبول کرلینے کا مشورہ بھی دیا تھا مگر شمر کے کہنے پر ابن زیاد نے ان تینوں مصالحتی تجویزوں کو رد کردیا۔

ان خالص امن پسندانہ مصالحت کی تجویزوں کو مسترد کرکے ابن زیاد کا صرف بیعت پر اصرار کرنا اور اس کے بغیر مصالحت کی کسی تجویز پر آمادہ ہی نہ ہونا خالص ظالمانہ اور سنگدلانہ رویہ تھا جس کو ابن زیاد وغیرہ عمال یزید نے حضرت رسول خدا ﷺ کے اہل بیت کے حق میں روا رکھا۔

سید الشہداء

شریعت اسلام کسی شخص کو اس بات پر مجبور نہیں کرتی کہ وہ اپنی جان اور اپنے اہل وعیال کو اپنے اختیار سے ظالموں کے قبضہ میں دے دے اور ذلت کی زندگی قبول کرلے اس لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے عزت نفس اور کمال عزیمت کا راستہ اختیار کیا اور مردانہ طریقہ سے ظالموں کا دفاع اور مقابلہ کرکے اپنی جان اور اہل وعیال کی

عزت کی حفاظت کرتے ہوئے مقام شہادت حاصل کرلیااور ''من قتل دون ماله وعرضه فهوشهيد'' کے مصداق ثابت ہوئے۔

نیز حدیث ''سيدالشهداء يوم القيمة حمزة بن عبدالمطلب ورجل قام الى امام جائرفامره ونهاه فقتله'' (للاوسط بضعف جمع الفوائد ج ۲ص ۲۲۸) کے بموجب سیدالشہداء کے لقب سے ملقب ہوئے۔

فائدہ :اس حدیث میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدالشہداء کا اطلاق ایسے شخص پر بھی کیاگیاہے جوامام جائر کے مقابلہ میں شہیدہوئے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کامقابلہ بلاشبہ امام جائر سے تھا۔ تواب سیدالشہداء کااطلاق حضرت امام کے اوپراسی حدیث کی بناپر حضور ﷺ کے ارشادمبارک کے مطابق ہی ثابت ہوجاتاہے ۔ جس حدیث کے اول حصہ کی وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کوسیدالشہداء کہا جاتاہے ۔ اس سے یہ شبہ بھی دور ہوگیاجوبعض اہل علم کو پیش آیاکرتاہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جولقب کسی صحابی کوعطافرمایاہے اس کا استعمال کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے لہذااس بناپر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کوسیدالشہداء کہنا جائز نہیں ۔ مگراسی حدیث میں حضرت حمزہ پرسیدالشہداء کے اطلاق کے ساتھ ایسے شخص پر بھی اس کا اطلاق کیاگیاہے جوامام جائر کے مقابلہ میں شہیدہوجائے۔

درحقیقت شبہ مذکورحدیث کے صرف ابتدائی حصہ کے پیش نظرواقع ہوتا ہے ورنہ پوری حدیث کے ملاحظہ کرلینے کے بعدیہ شبہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ خوداس حدیث میں ہی تصریحاً سیدالشہداء کااطلاق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے شخص پر بھی لسان نبوت نے فرمایاہے پھراس لقب کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہونے کے کیامعنی ہوئے؟۔

لفظ امام

فائدہ نمبر۲ اسی طرح امام حسین کو امام کہنے میں بھی کچھ حرج نہیں، اگرچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی بیعت کے ذریعہ حکومت وخلافت میسر نہیں ہوئی اور اس اصطلاحی معنی کے اعتبار سے آپ امام نہیں تھے کہ آپ کو حکومت ملی مگر لفظ امام کا اطلاق مطلق دینی پیشوا کے متعلق بلانکیر شائع اور ذائع ہے حتی کہ محاورات شرعیہ عرفیہ میں یہ لفظ پیش نماز پر بھی بولا جاتا ہے اور اس کو امام کہا جاتا ہے اور اس کو عباسی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''تحقیق سیدوسادات'' میں تسلیم کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

''عام لغوی معنوں میں یہ لفظ امام تو محض امیر، خلیفہ، حاکم، مقتدا و پیشوا نیز حدیث وفقہ وغیرہ علوم میں مہارت تامہ رکھنے والے حتی کہ پیش نماز کے لیے مستعمل ہے''۔

(ص ۳۰۵ سیدوسادات)

اور کسی نے اس کو اس وجہ سے منع نہیں کیا کہ اس سے شیعوں کی اس مصطلحہ امامت کا شبہ ہوتا ہے جس کے لوازم میں سے ان کے یہاں عصمت (گناہوں سے معصوم ہونا) ہے، جو کہ اہل سنت کے نزدیک صرف انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کا خاصہ ہے، اس میں کوئی اور شریک نہیں ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ چونکہ یقیناً دینی پیشوا اور مذہبی مقتدا ہیں اس لیے بایں معنی ان پر لفظ امام کا اطلاق بلاشبہ جائز ہے، مگر عباسی صاحب کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے اس لفظ امام کا استعمال گوارا نہیں ہے لکھتے ہیں:

''حضرت حسن وحسین جو نہ امیر تھے نہ حاکم اور نہ عالم حدیث وفقہ میں کوئی درجہ ان کو حاصل تھا، علاوہ ازیں نہ کسی جہاد میں امیر یا سپہ سالار ہوئے اور نہ امیر حج ہوئے اس لیے وہ اپنے زمانہ میں کبھی امام نہیں کہلائے، ان کے ناموں کے ساتھ لفظ امام کا استعمال

جبکہ نام کے آخر میں علیہ السلام بھی ہو یقیناً تشبہ بالروافض کے باعث ناجائز ہی نہیں حرام ہے اور ختم نبوت کے انکار کا مستلزم'' (تحقیق سید وسادات ص ۳۰۵)

عباسی صاحب کی دھاندلی ملاحظہ ہو کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسن سے بھی امیر وحاکم ہونے کی نفی کردی، حالانکہ حضرت حسن ۶/ ماہ تک امیر وحاکم بھی رہے ہیں، اور ان دونوں کے مذہبی مقتداء وپیشوا ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں ہے اور اس اعتبار سے ان کو امام کہنے کا جواز بھی ثابت ہے اور اہل سنت اسی اعتبار سے ان کو امام کہتے بھی ہیں مگر عباسی صاحب نے اس سیدھی اور صحیح بات کو چھوڑ کر لفظ امام کے آخر میں علیہ السلام کا ضمیمہ ملاکر اور اس میں تشبہ بالروافض پیدا کرکے اس کو ناجائز ہی نہیں حرام بناکر دم لیا، اچھا ان کے ناموں کے ساتھ لفظ امام کا استعمال جب کہ نام کے آخر میں علیہ السلام بھی ہو یقیناً تشبہ بالروافض کے باعث ناجائز ہی نہیں حرام ہے تو لفظ امام کا استعمال جبکہ نام کے آخر میں علیہ السلام نہ ہو تو اس وقت اس کے استعمال جو جائز تھا اس کو ناجائز صورت کے ساتھ کیوں خلط کردیا؟۔

باقی رہا یہ شبہ کے اس لفظ کے اطلاق میں مشابہت ہے شیعوں کے ساتھ یہ شبہ تشبہ اور تشابہ میں فرق نہ کرنے پر مبنی ہے حالانکہ دونوں میں بون بعید اور بہت فرق ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ اہل بیت کا مرتبہ اہل سنت کے نزدیک جو کچھ ہے وہ معلوم ہے البتہ ان کو شیعوں کا اپنے اعتقاد کے موافق دوسرے حضرات صحابہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم وغیرہ ہم سے افضل سمجھنا افراط اور غلو ہے لیکن اگر حب آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم شیعوں میں پائی جاتی ہے اور وہ اس میں غلو اور افراط سے کام لیتے ہیں یا یہ محبت آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی درجہ میں شیعوں کے ساتھ خاص سمجھی جانے لگے تو کیا اہل سنت والجماعت کو یہ رائے دی جائے گی کہ وہ حب آل نبی کو بھی چھوڑ دیں کیونکہ

اس میں شیعوں سے مشابہت ہوتی ہے ؟۔ یا یہ کہا جائے گا جیسا کہ امام شافعی نے فرمایا ہے، ولنعم ماقال۔

ان کان رفضا حب آل محمد فلیشهد الثقلان انی رافض

الغرض عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ ''حضرت حسین کا یہ اقدام یزید کی حکومت کے خلاف بغاوت ہے'' بالکل غلط ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ اس قائل کو اصول شرعیہ سے ناواقفیت کے ساتھ مستند تاریخی روایات سے بھی ذرہ بھر واقفیت نہیں ورنہ تاریخ صحیح پر نظر رکھنے والا شخص حضرت امام کے اس اقدام کو بغاوت کہنے کی ہرگز جرأت نہیں کر سکتا۔ یا پھر عباسی صاحب کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض و عناد اس درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو دیدہ و دانستہ توڑ مروڑ کر ان سے اپنا غلط مطلب نکالنا چاہتے ہیں کیونکہ تفصیل بالا سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام کسی قائم شدہ حکومت کے خلاف نہیں تھا جسے بغاوت کہا جا سکتا ہو۔ اس لیے کہ اس وقت تک نہ تو حجاز کے مرکزی شہروں نے عام طور پر اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی عراق کے لوگوں نے بیعت کی تھی ۔ مکہ ۔ مدینہ ۔ کوفہ اور اسی طرح کے دوسرے اسلامی مرکزی شہروں کے استصواب کے بغیر صرف اہل شام کا یہ مرتبہ نہیں تھا کہ وہ خلافت اسلامیہ کا گھر بیٹھے فیصلہ کر لیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد پر شبہ کا جواب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر اہل شام کی بیعت کے بغیر اس کا انعقاد کس طرح ہو گیا؟ کیونکہ آپ کی بیعت کرنے والا مہاجرین و انصار کا گروہ تھا جس کو یہ حق حاصل تھا کہ اس کے مشورہ سے ہی خلافت کا انعقاد ہو۔ مگر اہل شام کی یہ پوزیشن نہ تھی کہ استصواب رائے عامہ کے بغیر صرف ان کی

بیعت سے حکومت مستحکم ہوجاتی اور حالت یہ تھی کہ ہرجگہ مخفی اور ظاہری طور پر ہرطرف سے یزید کی حکومت کے خلاف نفرت عام تھی ۔ ایسی حالت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے علم وفضل اور اپنے مرتبہ کی وجہ سے یہ ذمہ داری ان پر عائد ہورہی تھی کہ نااہل لوگوں کو برسر اقتدار آنے سے روکیں اور جہاد کے میدان میں نکلیں خصوصاً جبکہ ہرطرف سے مسلمانوں کی نگاہیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی رہنمائی کی منتظر تھیں اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی درخواستیں بھی ان سے کی جارہی تھیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس اقدام سے روکنے کی اصل وجہ

حضرات اہل بیت کے جن افراد کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس اقدام سے روکنے کا ذکر عباسی صاحب نے کیا ہے اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ حضرات یزید کے حسن کردار کی وجہ سے اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے جیساکہ عباسی صاحب نے لکھا ہے بلکہ ان حضرات کی نظر کوفیوں کی بے وفائی پر تھی اور ان کا خیال تھا کہ اس آزمائش میں قدم رکھ کر اس سے عہدہ برآ ہونا بظاہر اسباب مشکل معلوم ہوتا ہے اور اس برائی کے روکنے کے لیے جس طاقت کے مہیا ہونے کی ضرورت ہے ان کے خیال میں وہ بھروسہ کے قابل نہیں ہے۔

دوسری طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اجتہاد یہ تھا کہ اس وقت حالات ایسے ہیں کہ اس برائی کو اس کے مستحکم ہونے سے پہلے روکا جاسکتا ہے اور کوفیوں کے مواعید اور خطوط کی کثرت کے پیش نظر ان کو اطمینان اور غالب گمان اپنی کامیابی کا ہوگیا تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور مانعین میں یہی اجتہادی اختلاف حالات کے سازگار اور موافق ہونے یا نہ ہونے کے بارہ میں ہورہا تھا ورنہ حکومت یزید کے متعلق مدافعت کی تدبیر کے جواز سے کسی کو اختلاف نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابل اہل عراق کا یہ اقدام کہ ان کو شہید کر دیا محل انکار اور قابل اعتراض تھا چنانچہ ''بخاری شریف'' کی درج ذیل حدیث سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے تأثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث بخاری شریف

''عن ابن ابی نعم قال کنت شاهدالابن عمروسئله رجل عن دم البعوض فقال ممن انت؟ قال من اهل العراق قال انظروالی هٰذا یسئلنی عن دم البعوض وقدقتلواابن النبی صلی اللهعلیه وسلم وسمعت رسول الله صلی اللهعلیه وسلم یقول هما ریحانتای من الدنیا'' (بخاری ج۲ ص۸۸۶، ج۱ ص۵۳۰)

ترجمہ: حضرت ابن ابی نعم فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمر کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص نے ان سے مچھر کے خون کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا میں عراقی ہوں۔ یہ سن کر حضرت ابن عمر نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو مچھر کے خون کے متعلق پوچھ رہا ہے حالانکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی اولاد کو قتل کیا ہے۔ اور میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ یہ دونوں (حضرات حسنین) میری دنیا کی خوشبوئیں (ریحان) ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا موقف درست تھا مگر دوسری مصلحتوں کی بنا پر انہوں نے یزید سے بیعت کر لی تھی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جنہوں نے یزید سے بیعت نہیں کی تھی اور مکہ مکرمہ میں اس کے خلاف اپنی حکومت قائم کرلی تھی ان کی شہادت پر جب شامیوں نے خوشی میں تکبیر کہی تو بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا ''خدا کی قسم جن لوگوں نے ابن زبیر کی ولادت کی خوشی میں تکبیر کہی تھی وہ لوگ ان سے بہتر ہیں جو ان کے قتل پر خوشی میں تکبیر کہہ رہے ہیں (حاشیہ ابن کثیر ج۳ ص۵ بحوالہ البدایہ والنہایہ)

فسق یزید اور موقف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

عباسی صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس موقف کو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا اس کی دلیل قرار دیا ہے کہ:

''نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کردے'' (خلافت ص۱۳۰)

مگر ان کی یہ دلیل حقیقت واقعیہ کے قطعاً خلاف ہے اس زمانہ کے سب بزرگ خواہ انہوں نے یزید سے بیعت بھی کرلی تھی مگر وہ بھی یزید کے فسق کے قائل تھے۔

اب رہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یزید کے خلاف یزید کی نااہلیت اور اس کے فسق وفجور پر متفق ہونے کے باوجود اس کے خلاف اقدام نہ کرنا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حالات کے سازگار نہ ہونے کی وجہ سے اس کے خلاف اقدام کو مفید اور نتیجہ خیز نہیں سمجھا اس لیے وہ اس کے خلاف نہیں کھڑے ہوئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ دوسرے حضرات نے اس اقدام کو مفید اور مثمر تصور فرمایا اس لیے وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ ایک اجتہادی اختلاف تھا جو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں یزید کے خلاف اقدام کرنے کے بارہ میں رونما ہوا۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: ''والمحدث فی یزید ماحدث من

الفسق اختلف الصحابة حينئذفي شانه فمنهم من رأى الخروج عليه ونقض بيعته من اجل ذٰلک كما فعل الحسين وعبدالله بن الزبيرومن اتبعهمافي ذٰلک ومنهم من اباه لما فيه من اثارة الفتنة و كثرة القتل مع العجزعن الوفاء به الخ" (مقدمہ ۱۷۷)

اب جب یزید سے بداعمالیاں آزادانہ صادر ہونے لگیں تو اس کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف الرائے تھے بعض نے اس کے خلاف اٹھنے اور بیعت کو فسخ کرنے کا ارادہ کیا جس طرح حضرت حسین و عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے یا انہوں نے جو ہر دو اصحاب کے متبعین تھے ۔اور بعض نے اس کے خلاف قدم اٹھانے کو خلاف مصلحت جانا اس خوف سے کہ کہیں فتنہ وفساد کی آگ نہ بھڑک اٹھے اور کشت وخون کا بازار نہ گرم ہوجائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ اگر یزید کے خلاف قدم بھی اٹھایا تو اس کو نبھا نہ سکیں گے ۔الخ۔

"واماغيرالحسين من الصحابة الذين كانوابالحجازومع يزيد بالشام والعراق ومن التابعين لهم فرأواان الخروج علٰى يزيد وان كان فاسقًالايجوزلماينشأعنه من الهرج والدماء فاقصرواعن ذٰلک ولم يتابعواالحسين ولاانكرواعليه ولااثموه لانه مجتهد وهواسوة المجتهدين" (مقدمہ ص۱۸۱)

ترجمہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر صحابہ کرام جو حجاز میں تھے یا یزید کے پاس شام وعراق میں تھے اور اسی طرح ان کے تابعین یزید پر خروج کو نامناسب جانتے تھے اگرچہ وہ فاسق ہی تھا کیونکہ اس میں فتنہ وفساد وخونریزی کا خطرہ تھا۔اسی لیے وہ اس سے بچے رہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا مگر یہ بھی نہیں کہ ان کو برا بتاتے یا ان

کو گنہگار ٹھہراتے کیونکہ آخر آپ بھی تو مجتہد تھے اور مجتہدین کی یہی صفت ہے کہ ان کے اختلاف کو باعث گناہ نہیں سمجھا جاتا۔

غرضیکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یزید کا ساتھ دینے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ یزید متقی اور پارسا تھا بلکہ اس کو فاسق سمجھتے ہوئے فتنہ نزاع وجدال اور آپس کے خون خرابہ سے بچنے اور اس کو نتیجہ خیز نہ سمجھتے ہوئے اس اقدام میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عملاً ساتھ نہیں دیا تھا۔

اب عباسی صاحب کا اس کو یزید کے حسن کردار کی دلیل بنالینا ''تاریخی ریسرچ'' نہیں بلکہ تاریخ کی تکذیب ہے، اس لیے کہ اوپر تاریخ سے ثابت ہوچکا کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کے خلاف اقدام نہیں کررہے تھے وہ بھی اس کو فاسق سمجھتے تھے اور یزید کے فسق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو رائیں نہیں تھیں۔

دونوں گروہ مجتہد تھے

حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دونوں گروہ مجتہد تھے اپنے اپنے اجتہاد پر دونوں نے عمل کیا اس لیے نہ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر کوئی شرعی اعتراض ہوسکتا ہے نہ ہی ان دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کسی طرح کا الزام عائد ہوتا ہے جنہوں نے باہمی خون ریزی اور انتشار کے خطرہ کے پیش نظر اس اقدام میں عملاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا۔

چونکہ یزید کے خلاف اقدام کے قضیہ میں اجتہادی اختلاف کرنے کی گنجائش تھی اور اس میں کئی پہلو ایسے تھے کہ نیک نیتی کے ساتھ شرعاً اختلاف کیا جاسکتا تھا اس لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جو یزید کے خلاف اقدام کیا تھا وہ بھی ان کا ایسا اجتہادی فعل تھا جو شرعاً درست تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت نے عملاً ان کا ساتھ نہ دے کر

بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ظن غالب تھا کہ اس برائی کا ازالہ ہوسکتا ہے اور دوسرے حضرات کو اس کے خلاف ظن غالب تھا، دونوں نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور اس معاملہ میں شرعاً دارومدار ظن غالب پر ہی ہے۔

علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے:

"واماالحکم الشرعی فلم یغلط فیه لانه منوط بظنه و کان ظنه القدرۃعلیٰ ذٰلک" (ص۱۸۱)

ترجمہ: رہا حکم شرعی تو اس کے سمجھنے میں آپ نے ہرگز غلطی نہیں کی کیونکہ اس کا مدار آپ کے گمان پر تھا اور آپ کا گمان یہی تھا کہ آپ کو خروج پر قدرت حاصل ہے۔

"والحسین فیهاشهیدمثاب وهوعلی حق واجتهاد والصحابة الذین کانوامع یزیدعلی حق ایضًاواجتهاد" (مقدمہ۱۸۱)

ترجمہ: اور حضرت امام شہید ہیں اور مستحق ثواب، اور وہ اپنے اجتہاد پر ہیں اور حق بجانب، اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم یزید کے ساتھ تھے وہ بھی چونکہ اپنے اجتہاد پر قائم تھے اس لیے وہ بھی حق ہی کے پیرو مانے جائیں گے۔

علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

"ولایجب فی المبتدع الااذاظنواالقدرۃعلیه فان تحقیق القیام" (نووی ج۲ص۱۲۵)

اس سے واضح ہے کہ فسق و معصیت کی وجہ سے کسی کے خلاف اقدام اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس کو اس کے ازالہ پر قدرت کا ظن ہو اور یزید کے خلاف اقدام میں اختلاف کی بنیاد اس کا فسق اور عدم فسق نہیں تھا بلکہ اس کی مدافعت قدرت کا وجود اور عدم وجود تھا۔

اس کتاب کی ایک اور اہم تاریخی بحث

عباسی صاحب کو چونکہ یزید اور عمال یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی بہت فکر دامن گیر رہتی ہے اس لیے وہ ہر رطب و یابس اور کمزور سے کمزور بنیادوں پر بھی صفائی کی عمارت قائم کر لیتے ہیں۔

کربلا کا حادثہ فاجعہ بھی عباسی صاحب کی کتاب کی ایک اہم تاریخی بحث ہے اس میں بھی انہوں نے اپنی عادت کے موافق یزید اور عمال یزید کی طرف سے خوب خوب وکالت کا حق ادا کیا ہے اور جس طرح بھی ان سے بن پڑا اس حادثہ فاجعہ اور اس کے مظالم کی ذمہ داری سے ان کی بریت پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے اس بحث میں دو خاص دعوی جو عباسی صاحب نے کیے ہیں، ایک یہ کہ حادثہ کربلا سے پہلے اور پیچھے کے مظالم کی داستانیں سب وضعی ہیں، دوسرے یہ کہ یہ حادثہ یزید اور عمال یزید کے قصد و ارادہ کے بغیر بالکل اتفاقی طور پر پیش آگیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سفر کا آغاز

وہ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت حسین کا سفر ۸ ر ذوالحجہ کو نہیں ۱۰ ر ذوالحجہ کو شروع ہوا''۔

ان کی بحث کمزور ہے تاہم یہ مان لینے کے بعد بھی کہ تاریخ روانگی ۱۰ ر ذوالحجہ ہی تھی اس بات کی کوئی مضبوط دلیل ان کے پاس نہیں ہے کہ ۱۰ ر محرم سے پہلے قافلہ کربلا میں نہیں پہنچ سکتا۔ حسابی فارمولے اور عام تجربات کو تسلیم کرتے ہوئے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس قافلہ کے حالات غیر معمولی اور خاص نوعیت کے تھے اور غیر معمولی حالات میں مہینوں کی مسافت ہفتوں میں اور ہفتوں کی دنوں میں طے کر لینے کے واقعات تاریخ میں ملتے ہیں۔

حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کرنا

عباسی صاحب اگرچہ حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کے لیے بھی ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں مگر وہ نفی میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

کیسی الٹی بات ہے جو اس سلسلہ میں عباسی صاحب نے لکھ دیا ہے کہ:

''عامل مکہ کے بھیجے ہوئے لوگ تو جب آپ پڑھ آئے ہیں پہلے ہی بے نیل ومرام لوٹ گئے تھے اس کے پاس ایسی کوئی فوج نہ تھی جس کے تعاقب کا خوف وہراس غیر معمولی طریق سفر اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا'' (خلافت ص ۱۸۰)

حالانکہ عامل مکہ کے قاصدوں کا ناکام لوٹ جانا تو ایک ہوشمند آدمی کے لیے اس کا متقاضی تھا کہ سفر کے طے کرنے میں عجلت سے کام لیا جائے، کیونکہ ایسی حالت میں آگے اور پیچھے دونوں طرف سے خطرہ بڑھ جانے کا قوی امکان تھا۔

گورنر مکہ کے پاس فوجی کارروائی یا پکڑ دھکڑ کی قوت کا نہ ہونا تو گورنروں کی ایسی بے بسی اور مجبوری کو تسلیم کر لینا عباسی صاحب کے سوا کسی اور کے لیے مشکل بات ہے۔

حسینی قافلہ کا باربردار قافلہ پر قیاس کرنا

عباسی صاحب نے حسینی قافلہ کے غیر معمولی حالات کی نفی کر کے اس کو نہ صرف یہ کہ تمام قافلوں اور مسافروں کے زمرہ میں شمار کرنا چاہا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اس کو باربردار (بوجھ اٹھانے والے) قافلوں میں شمار کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اس بحث میں سر رچرڈ ایف برٹن کے اس تجربہ کو وہ اپنا مشاہدہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطار میں بوجھ سے لدا ہوا چل رہا ہو معمولی حالت کے وقت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی میل ہوتی ہے'' (خلافت ۱۸۵)

بوجھ سے لدا ہوا، اور وہ بھی معمولی حالت کے وقت ، اونٹ کی رفتار کو حسینی قافلہ کی رفتار کے لیے معیار قرار دے کر عباسی صاحب نے جس طرح اپنا مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی ہے کیا اس طرح کی زبردستی اور کھینچ تان ہی کو ریسرچ اور تحقیق کے نام پر پیش کر کے کربلا کے مظالم کی وضعیت کو ثابت کیا جاسکتا ہے ؟۔

ایک بڑا خلا

اس بحث میں ایک بڑا خلا یہ بھی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عمرو بن سعد کے درمیان ہونے والی جو گفتگوئیں مؤرخین نے نقل کی ہیں اور پھر عمرو بن سعد کی جو خط و کتابت عمرو اور ابن زیاد کے درمیان ہونی بتائی گئی ہے یہ گفتگوئیں اور خط و کتابت کربلا میں حسینی قافلہ کے پہنچنے کے بعد ہوئی اور ان میں ضرور کچھ وقت صرف ہوا ہوگا اور عباسی صاحب نے خود بھی ان گفتگوؤں اور خط و کتابت کی روایات کو تسلیم کرلیا ہے۔

اس طرح عباسی صاحب کے اس دعویٰ کی تردید کا سامان خود ان کی تسلیم کردہ روایات سے ہی مہیا ہوجاتا ہے کہ حسینی قافلہ ۱۰ محرم سے پہلے کربلا میں کسی طرح نہیں پہنچ سکتا اس لیے پانی بند کرنے وغیرہ مظالم کی واقعیت کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

عباسی صاحب کا نظریہ اور ان کے حوالوں کا جائزہ

اکابر امت کی آراء کے برخلاف محمود احمد عباسی صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ یزید ایک نہایت ہی متقی ، پارسا مناقب جلیلہ اور اوصاف حمیدہ کا مالک شخص تھا اس کے لیے عباسی صاحب نے کتابوں کی عبارتوں میں قطع برید کرنے اور بعض عبارتوں کا ترجمہ تک غلط کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ بطور نمونہ چند حوالوں کا ذیل میں جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس جائزہ سے عباسی صاحب کی ریسرچ کا حقیقی منظر واضح ہوکر سامنے آجائے گا۔

(۱) عباسی صاحب نے حافظ ابن کثیر کا یہ قول : ”وله مصنف فی فضل

یزیدبن معاویة اتی فیه بالغرائب والعجائب" نقل کرکے اس کا ترجمہ اپنے مطلب کے موافق اس طرح کیا ہے "اوران (شیخ عبدالمغیث) کی تصنیف سے فضل یزید بن معاویہ پرایک کتاب ہے جس میں بہت سے غریب وعجیب حالات بیان کئے ہیں"۔

حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ایسے مواقع میں "غرائب وعجائب" کا استعمال اچھے معنیٰ میں نہیں ہوتا بلکہ ان کے غیر مستند ہونے کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ علامہ ابن کثیر کا مقصد بھی اس سے یہی بتلانا تھا کہ اس میں غیر مستند باتیں لکھی ہیں مگر عباسی صاحب نے اس سے کتاب کی مدح کا پہلو کشید کرلیا۔

دوسرے "اتی فیه بالغرائب والعجائب" سے ملی ہوئی فوراً ہی بعد جو یہ عبارت تھی "وقدردعلیه ابوالفرج بن الجوزی فاجاد واصاب" ابوالفرج ابن جوزی نے اس پر بہت عمدہ اور صحیح رد کیا ہے۔ اس عبارت کو اپنے مقصد کے خلاف دیکھ کر عباسی صاحب نے چھوڑ دیا۔ ابن جوزی کی اس کتاب کا نام "الردعلی المتعصب العنیدالمانع عن ذم یزید" ہے۔

یزید کی منقبت ثابت کرنے کے لیے عباسی صاحب نے علامہ ابن کثیر کی عبارت کا غلط مفہوم پیدا کرنے اور اس سے متصل کی عبارت کو حذف کرکے ناظرین کو مغالطہ دینے کی کس طرح کوشش کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

(۲) عباسی صاحب لکھتے ہیں "خلیفہ ناصر نے امیر یزید کے بارہ میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انہوں نے دیا علامہ موصوف کے الفاظ میں سنئے:

"فسأله الخلیفةعن یزیدایلعن ام لا؟فقال لااسوغ لعنه لانی لوفتحت هذاالباب لافضی الناس الی لعن خلیفتنافقال الخلیفة ولم؟ قال لانه یفعل اشیاء منکرةکثیرةمنهاکذاوکذاثم شرع یعددعلی

الخليفة افعاله القبيحة ومايقع منه المنكر" (البدایہ ج۱۲ص۳۲۸)

پھر اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''خلیفہ ناصر نے (شیخ عبدالمغیث) سے سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سے منکرات پر عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں۔ انہوں نے خلیفہ کے برے افعال گنانے شروع کئے'' (خلافت معاویہ ویزید ص۱۰۷،۱۰۶)

''لا اسوغ لعنه'' کا ترجمہ ''لعن کرنا ہرگز جائز نہیں'' صحیح نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ اس کا یہ ہے ''میں اس پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دونگا'' لعن کا جائز نہ ہونا اور بات ہے اور جائز ہوتے ہوئے کسی مصلحت کی وجہ سے اس کی اجازت نہ دینا اور بات ہے۔ خلیفہ ناصر بھی چونکہ بعض منکرات اور برائیوں پر عمل پیرا تھے اس وجہ سے شیخ نے یزید پر لعنت کی اجازت دینے سے خلیفہ وقت پر بھی لعنت کے دروازے کے کھل جانے کا اندیشہ کیا۔ اس لیے لعنت کی اجازت نہیں دی اور خلیفہ وقت کو متنبہ کر دیا کہ جن منکرات کی وجہ سے وہ یزید کو مستحق لعنت سمجھتے ہیں ویسے ہی امور منکرہ کے وہ خود بھی مرتکب ہو رہے ہیں۔ تو کیا شیخ کے اس قول سے یزید کی کوئی منقبت ثابت ہو رہی ہے؟ یا اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یزید اور خلیفہ ناصر دونوں ہی امور منکرہ اور افعال قبیحہ کے مرتکب ہیں۔

(۳) عباسی صاحب نے یزید کی منقبت ثابت کرنے کے لیے حسب ذیل عبارت بھی بیان کی ہے:

"و كان (ابوايوب الانصارى) فى جيش يزيدبن معاوية واليه اوصى وهوالذى صلى عليه" (البدایہ ج۸ص۵۸)

ترجمہ: ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں تھے انہوں نے اس (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی (خلافت معاویہ ویزید ص ۷۷)

یزید کے نماز جنازہ پڑھانے سے اس کی فضیلت و منقبت پر کچھ روشنی نہیں پڑتی، بحیثیت امیر لشکر ہونے کے نماز پڑھانا ان کا حق تھا۔ "صلوا خلف کل بر و فاجر" فرمان نبوی ﷺ کے مطابق ہمیشہ اسی طرح عمل ہوتا رہا ہے، ائمہ جور کے پیچھے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے نمازیں ادا کی ہیں مگر اس سے ان ائمہ کا ثقہ اور عادل ہونا ثابت نہیں ہوا بلکہ اس کے باوجود بھی وہ امام جائر ہی رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے زمانہ میں سبائیوں کا سرغنہ مسجد نبوی میں نماز پڑھاتا تھا اور حضرت عثمان خلیفہ راشد نے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جیسا کہ بخاری شریف میں ج ۱ ص ۹۶ پر موجود ہے، مگر اس کی امامت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس کے پیچھے نماز ادا کرنے سے اس کی ثقاہت اور عدالت کا ثبوت نہیں ہوا۔

بخاری شریف میں ہے: "ویصلی لنا امام فتنة ونتحرج فقال الصلوٰة احسن مایعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معہم واذا اساؤا فاجتنب اسائتہم" (بخاری ج ۱ ص ۹۶)

(۴) عباسی صاحب نے یزید کے محاسن ثابت کرنے کے لیے "البدایۃ" کی حسب ذیل عبارت بھی پیش کی ہے:

"وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرم والحلم والفصاحۃ والشعر وا لشجاعۃ وحسن الرأی فی الملک و کان ذا جمال حسن المعاشرۃ" (البدایۃ ج ۸ ص ۲۳۰) اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات علم و کرم

وفصاحت وشعرگوئی وشجاعت وبہادری کی تھیں، نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور خوبصورت اور خوش سیرت تھے (خلافت معاویہ ویزید ص۱۰۰)

مگر اس سے ملی ہوئی حسب ذیل عبارت کو عباسی صاحب نے ریسرچ کا حق ادا کرنے کے لیے چھوڑ دیا:

"و کان فیه ایضاًاقبال علی الشهوات وترک بعض الصلوٰت فی بعض الاوقات واماتتهافی غالب الاوقات" (البدایہ ج۸ ص۲۳۰)

ترجمہ: اور نیز اس میں شہوات نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کرنا پایا جاتا تھا اور نمازوں کا بے وقت پڑھنا تو اکثر اوقات تھا"۔

عباسی صاحب کی منقولہ عبارت سے یزید کے اندر حلم وکرم وغیرہ اوصاف مذکورہ کے پائے جانے سے جو کہ ایک غیر مسلم اور غیر متقی میں بھی پائے جاسکتے ہیں یزید کا متقی ہونا کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ جس کیلئے عباسی صاحب بہت بے چین نظر آتے ہیں۔

خلافت معاویہ ویزید کے طبع چہارم میں اس عبارت پر یہ حاشیہ لکھا ہے "اس عبارت کے بعد ہی لفظ ایضاً کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اس لیے حذف کر دیے گئے کہ جن بزرگوں کو امیر یزید کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی انہوں نے امیر یزید کی پابندی نماز اور اتباع سنت کا حال بیان کیا ہے، مثلاً برادر حسین رضی اللہ عنہ، محمد بن حنفیہ وغیرہ نے جو دوسری جگہ درج ہے، نیز اس موقع پر ان کی کریم النفسی کا ذکر ہے" (حاشیہ ص۱۰۰)۔

فتح الباری وغیرہ کی عبارت منقولہ (۱) میں موجود ہے کہ یزید کے چچازاد بھائی امیر مدینہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جس جماعت کو یزید کے حالات معلوم کرنے کے لیے اہل مدینہ کی طرف سے بطور وفد کے دمشق روانہ کیا تھا اس وفد نے مدینہ منورہ واپس آکر یزید کے عیوب کو بیان کیا تھا اور شراب پینے کو اس کی طرف منسوب

کیا تھا۔ تو کیا اس وفد نے یزید کے حالات سے ذاتی واقفیت حاصل کیے بغیر ہی یہ بیان دے دیا تھا؟ یہ بیان آخر کیوں ناقابل قبول ہے؟ مختلف احوال میں مختلف حالات کا دیکھنے والوں کے علم میں آجانا کیا کوئی ناممکن بات ہے؟ برادر حسین محمد بن حنفیہ نے امیر موصوف کی پابندی نماز اور اتباع سنت کا حال دیکھا ہوگا انہوں نے اس کو بیان کر دیا دوسرے وقت میں اس کے دوسرے حالات ظاہر ہوئے تو اس کو دیکھنے والوں نے بیان کر دیا اس میں تعارض و تخالف کی کیا بات ہے؟

حافظ ابن کثیر کی پوری عبارت کو نقل کر کے اس کے کسی حصے سے اختلاف ظاہر کیا جاتا تو یہ اور بات ہوتی اور عبارت میں قطع برید کر کے اس کے ایک حصے کو نقل کرنا اور دوسرے حصے کو حذف کر کے اس کو حافظ ابن کثیر کی طرف منسوب کرنا ناظرین کو مغالطہ میں ڈالنا اور بددیانتی اور تلبیس سے کام لینا ہے۔

(۵) اکابر امت کی آراء کے تحت (٦) پر ابن حجر عسقلانی کی روایت سے اس واقعہ کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ ''عمر بن عبدالعزیز کے سامنے کسی نے یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کیا تو انہوں نے بیس کوڑے لگانے کا حکم دیا''۔

حافظ ابن حجر نے اس واقعہ کو یحیٰی بن عبدالملک بن ابی عتبہ سے اور انہوں نے نوفل بن عقرب سے روایت کیا ہے۔ اس سند کے راوی یحیٰی بن عبدالملک کی توثیق ابن حجر نے ''احد الثقات'' کہہ کر کی ہے اور دوسرے راوی نوفل بن ابی عقرب کا ثقہ ہونا ''ثقہ'' کی تصریح کر کے بتلا دیا ہے۔ مگر عباسی صاحب لکھتے ہیں:

''برخلاف وضعی روایت کے راویوں یحیٰی بن عبدالملک و نوفل بن عقرب کے جو مجہول الحال ہیں'' (خلافت معاویہ و یزید ص ۹۴)

عباسی صاحب کا ان راویوں کو مجہول الحال کہنا ابن حجر کی توثیق کے باوجود کیا وزن

رکھتا ہے یہ بھی قابل غور ہے۔

عباسی صاحب اس واقعہ پر عمل جراحی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تہذیب التہذیب ''میں امام ابن حجر عسقلانی امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحیٰ بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کا جس کو وہ ''احد الثقات'' یعنی ثقہ راویوں میں شمار کرتے ہیں یہ قول اپنی ہی طرح کے ایک اور ثقہ راوی نوفل بن ابی عقرب کی سند سے نقل کیا ہے کہ اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے محض اتنی سی بات پر کہ وہ شرعی جرم نہیں ایک شخص کے بیس کوڑے لگوائے تھے کہ امیر یزید کا ذکر اس نے امیر المؤمنین کہہ کر کیا تھا (خلافت معاویہ ویزید طبع چہارم ص۹۳)

عباسی صاحب کے مغالطات

(الف) حافظ ابن حجر ''تہذیب التہذیب'' میں ایسے آدمی کا ذکر بھی کر دیتے ہیں جو راوی حدیث نہیں ہوتا اور مقصد دو ہم ناموں میں اشتباہ کو دور کرنا ہوتا ہے۔ اس جگہ حافظ ابن حجر نے صحاح کے راوی یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز کرنے کے لیے یزید بن معاویہ اموی کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح خود حافظ موصوف نے فرمادی ہے ''ذکرتہ للتمیز بینہ وبین النخعی ''میں نے یزید کا ذکر اس میں اور النخعی میں تمیز کرنے کے لیے کیا ہے۔ عباسی صاحب نے اس سے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ یزید بھی صحاح کا راوی ہے حالانکہ اس کی حقیقت صرف یہ ہے جو حافظ صاحب موصوف کی زبانی ابھی لکھی گئی ہے۔

(ب) عبارات بالا میں عباسی صاحب نے اس قول کو یحیٰ بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ان کا ذکر ہی ''تہذیب التہذیب'' میں سرے سے نہیں ہے۔ البتہ یحیٰ بن عبدالملک بن عتبۃ الخزاعی ابوزکریا الکوفی کی روایت سے اس

قول کو علامہ ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' میں روایت کیا ہے اور انکی توثیق کی ہے۔

(ج) جب ثقہ اور معتبر راویوں کے ذریعہ سے یہ واقعہ ثابت ہے تو اس بنا پر اس کے رد کرنے کی کوشش کرنی کہ عباسی صاحب کے نزدیک یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کرنا شرعی جرم نہیں ہے، کیسے درست ہو سکتی ہے؟

اگرچہ عباسی صاحب کے نزدیک یہ شرعی جرم نہیں ہے مگر خیر التابعین خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کے نزدیک یزید کا ذکر امیر المؤمنین کہہ کر کرنا ایسا شرعی جرم تھا جس پر انہوں نے بیس کوڑے لگانے کا حکم دیا تھا۔

(د) اس واقعہ کے نقل اور اس کے راویوں کی توثیق کرنے سے حافظ ابن حجر کے نزدیک یزید کی حیثیت اور اس کا مرتبہ واضح ہو رہا ہے اسی سے اس کا ذکر رواۃ احادیث میں کرنے کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے اور خود علامہ ابن حجر نے تصریح کر دی ہے ''ولیست له روایة تعتمد'' اس (یزید) کی کوئی روایت قابل اعتماد نہیں ہے اور علامہ ذہبی نے یزید کے متعلق فرمایا ہے:

''(یزید بن معاویة) بن ابی سفیان الاموی روی عن ابیه وعنه ابنه خالد وعبدالملک بن مروان مقدوح فی عدالته لیس باهل ان یروی عنه وقال احمد بن حنبل لاینبغی ان یروی عنه'' (میزان ج۴ ص۴۴۸)

یزید نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور خود اس سے اس کے بیٹے خالد اور عبدالملک بن مروان نے روایت کی ہے، اس کی عدالت مجروح ہے یہ اس کا اہل نہیں ہے کہ اس سے روایت کی جائے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔

علامہ ابن حجر اور علامہ ذہبی جیسے اسماء الرجال کے ماہرین نے جب یزید کو مجروح

اور ناقابل اعتماد قرار دے دیا ہے اب اس کے مقابلہ میں عباسی کا ص۹۴ پر یزید کے بیٹے خالد وغیرہ کی ان سے روایت کرنے کی وجہ سے اس کو ثقہ ثابت کرنے کی کوشش یزید کی بے جا حمایت ہے۔

(ہ) اور عباسی صاحب کا یہ کہنا کہ:

''مراسیل ابی داود میں ان (یزید) سے روایت ہے'' اس کے بارہ میں علامہ ابن حجر کی عبارت اس طرح ہے ''ثم وجدت له رواية فی مراسيل ابی داود وقدنبهت عليهافی الاستدراک'' (تہذیب التہذیب ج۱۱ص۳۶۱)

عبارتوں کی قطع برید کرنے اور ان کے غلط ترجموں سے یزید کے مناقب اور محاسن ثابت کرنے کی اس دیانتدارانہ کوشش کے بارہ میں ہی کیا یہ کہا جارہا ہے کہ عباسی صاحب کی ''اس ریسرچ نے حقیقت سے پردہ اٹھادیا ہے؟''۔

(جاری)

مفتی محمد عبداللہ چغیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج

تحقیقی جائزہ (قسط۳۲)

احکام القرآن للکاندھلوی

فیہاآیتان:الاٰیۃ الاولٰی:قولہ تعالٰی :یاایہاالذین اٰمنواذا نودی للصلٰوۃ من یوم الجمعۃ الٰی اٰخرھاوفیہا مسائل :

(۱)المسئلۃالاولٰی:قولہ تعالٰی :یاایہاالذین اٰمنواظاھر فی ان المخاطب المومنون دون الکفار(۲)والمسئلۃ الثانیۃ:قولہ تعالٰی:ان الجمعۃ خاصۃ بھذہ الامۃ ،ویوم الاسلام، وافضل الایام،کما وردت بہ الاحادیث والمسئلۃ الثالثۃ:قولہ تعالٰی:واذا نودی للصلٰوۃ النداء بوالاذان الخ(۳)والمسئلۃالرابعۃ:قولہ تعالٰی:واذا نودی للصلٰوۃ مختص بوجوب الجمعۃ علی القریب الذی یسمع النداء فاماالبعید الذی لا یسمع النداء فلا یدخل تحت الخطاب والتفصیل فی شروح الحدیث وکتب الفقہ(٤)والمسئلۃ الخامسۃ :قولہ تعالٰی :واذا نودی للصلٰوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الٰی ذکراللہ ،دلیل علٰی ان الجمعۃ لاتجب الابالنداء والنداء لایکون الا بعد دخول الوقت الخ(٥)والمسئلۃ السادسۃ:اتفق فقہاء الامصار علٰی ان الجمعۃ مخصوصۃ بموضع لا یجوز فعلہا فی غیرہ الخ(٦)والمسئلۃالسابعۃ:قولہ تعالٰی:وذروا البیع،اختلف السلف فی وقت النہی عن البیع الخ(۷)والمسئلۃ الثامنۃ :فان کان نکاحاً فقال ابن القاسم فی العتبیۃ:لایفسخ الخ(۸)والمسئلۃ التاسعۃ:واختلفوا فی عدد من تصح بہ الجمعۃ من المامومین ،فقال ابوحنیفۃ وزفر ومحمد واللیث:ثلاثۃ سوی الامام وروی عن ابی یوسف اثنان سوی الامام الخ(۹)والمسئلۃ العاشرۃ:لا یسقط الجمعۃ کونہا فی یوم عید خلافا لاحمد بن حنبل حین قال:اذااجتمع عید وجمعۃ سقط فرض الجمعۃ،لتقدم العید علیہا واشتغال الناس بہ عنہاالخ

والایۃ الثانیۃ:واذا رأوا تجارۃ أولہوا انفضوا الیہاوترکوک قائما فیہاثلاثۃ مسائل

(۱)المسئلۃ الاولٰی فی سبب نزولہا:وفی ذٰلک ثلاث روایات الخ(۲)المسئلۃ الثانیۃ:فی ھٰذہ الایۃ دلیل علٰی ان الامام انما یخطب قائما کذٰلک کان النبی ﷺ یفعل وابو بکر وعمر،وخطب عثمان قائماً حتٰی رق فخطب قاعداالخ (۳)المسئلۃ الثالثۃ: قال کثیر من علمائنا:ان ہٰذا القول یوجب الخطبۃ لان اللہ تعالٰی ذمہم علٰی ترکہا والواجب ہو

الذی یذم تارکه شرعا حسبما بیناه فی اصول الفقه وقال ابن الماجشون:انهاسنة والصحیح ماقدمناه والله اعلم کذا فی احکام القران لابن العربی۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے احکام القرآن میں سورۃ جمعہ کی آیت یاایهاالذین امنوااذانودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعواالی ذکرالله وذروالبیع ذٰلکم خیرلکم ان کنتم تعلمون کے تحت درج ذیل مسائل کا استنباط فرمایا:

(۱)اس آیت کے مخاطب مومنین ہیں (۲)جمعہ اس امت کے مسلمانوں کیلئے افضل دن میں خاص کیاگیاہے (۳)اس آیت میں اذانودی کا مصداق پہلی اذان جمعہ ہے (۴) آیت سے معلوم ہواکہ نمازجمعہ کا وجوب ان قریبی لوگوں پرجنہوں نے اذان جمعہ سنی (۵) وجوب جمعہ اذان کے بعدہوتاہے اوراذان جمعہ وقت کے شروع ہونے کے بعد ہی ہوگی (۶)جمعہ شہروں میں ہوتاہے دیہاتوں میں جائز نہیں ہے (۷)اذان کے بعدخرید وفروخت کی ممانعت اوراس وقت ہونے والی خریدوفروخت کاحکم کیاہے (۸)اذان جمعہ کے بعدہونے والے نکاح کاحکم (۹)کتنے مقتدیوں کی موجودگی میں نمازجمعہ ہوسکتی ہے (۱۰)جمعہ کے دن عیدکی وجہ سے نمازجمعہ کاعدم سقوط۔

دوسری آیت واذارأوا تجارة اولهوا انفضوا الیهاوترکوک قائما سے درج ذیل مسائل کا استنباط فرمایا: (۱)آیت کاسبب نزول ذکرفرمایا(۲)امام خطبہ جمعہ کھڑاہوکردے (۳)جمعہ خطبہ کاوجوب ثابت ہوتاہے۔

محاکمہ نمبر۳: سورۂ جمعہ کی آخری تین آیات کے تحت مسائل مستنبط کی تعداد کا تقابلی جائزہ ذیل میں یوں ہے:

تالیف ومؤلف	تعداد مسائل مستنبط
احکام القرآن للترمذی	۴۸
احکام القرآن للکاندھلوی	۱۶

احکام القرآن للترمذی کا دیگر اجزاء سے تقابل

(۱) مفتی عبدالشکور ترمذی کے تالیف کردہ حصہ احکام القرآن میں جہاں علامہ ظفر احمد عثمانی کے حصہ احکام القرآن کی طرح محدثانہ اور متکلمانہ رنگ نظر آتا ہے وہاں مفتی محمد شفیع صاحب اور مفتی جمیل احمد صاحب کے حصہ احکام القرآن کی طرح فقیہانہ رنگ زیادہ نمایاں نظر آتا ہے (۲) مفتی عبدالشکور ترمذی اپنے شیخ علامہ ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب کی طرح بعض مقامات پر الفاظ کی لغوی تشریح بھی فرماتے ہیں ، البتہ اختلاف قراءت کے ذکر کرنے میں مفتی عبدالشکور ترمذی زیادہ نمایاں ہیں جبکہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی لغوی تشریح اور اختلاف قراءات کے بارے گفتگو کرنے کی بجائے آیت نقل کرکے بلا کسی تمہید یا بحث کے احکام پر بحث فرماتے ہیں (۳) مفتی عبدالشکور ترمذی نے دیگر مؤلفین کی طرح بعض مسائل میں تمام فقہاء کرام کے دلائل ذکر فرماتے ہیں جبکہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی صرف احناف کے دلائل ذکر کرنے پر اکتفا فرماتے ہیں (۴) مفتی عبدالشکور ترمذی نے دیگر مؤلفین کی طرح علم الکلام کے مسائل پر بھی گفتگو فرمائی البتہ مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد ادریس صاحب نے بہت کم علم الکلام پر بحث فرمائی ہے (۵) مفتی عبدالشکور ترمذی کی عبارت میں مفتی محمد شفیع صاحب کی طرح سادگی اور تسلسل ہوتا ہے جبکہ علامہ ظفر احمد عثمانی کی عبارات مقفّٰی و مسجع ہوتی ہیں (۶) مفتی عبدالشکور ترمذی کے حصہ میں اجمال نہیں بلکہ احکام القرآن کے منہج واسلوب کے پیش نظر ضروری وناگزیر تفصیلات بھی ذکر کی گئی ہیں (۷) مفتی عبدالشکور ترمذی نے دیگر مؤلفین کی بنسبت اکابر علماء اہل سنت والجماعت کی علمی تحقیقات کو زیادہ نقل فرمایا ہے۔

(جاری)

تخمینہ لاگت تعمیر جامع مسجد ترمذی

جامعہ حقانیہ فروکہ روڈ ساہیوال سرگودھا

کل کوررڈ ایریا: 18,588 مربع فٹ

کل تخمینہ لاگت: RS. 2,23,05,600/-

دو کروڑ تیئس لاکھ پانچ ہزار چھ سو روپے

گراؤنڈ فلور لاگت: Rs. 1,32,45,600/-

ایک کروڑ بتیس لاکھ پینتالیس ہزار چھ سو روپے

فسٹ فلور لاگت: Rs. 90,60,000/-

نوے لاکھ ساٹھ ہزار روپے

لاگت فی مربع فٹ کوررڈ ایریا: Rs. 1,200/-

ایک ہزار دو صد روپے

ایک جائے نماز کی لاگت: Rs. 12,000/-

بارہ ہزار روپے

جامعہ کا اکاؤنٹ نمبر- H-B-L-17030008164003

برائے ابطہ: 048-6786002/6786899